حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ جہادِ افغانستان کے روحِ رواں تھے

افغانستان کے میدانِ کارزار میں محاذِ جنگ کی قیادت علماء کر رہے ہیں اور ان میں اکثریت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحؒ کے شاگردوں اور دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء کی ہے

مولانا حمید الرحمن عباسی۔ شیرانوالہ، لاہور

ناچیز کو حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شروع سے ہی عقیدت تھی۔ طالب علمی کے زمانہ میں کئی بار آپ سے استفادے کا خیال پیدا ہوا مگر چونکہ وہاں تعلیم و تدریس پشتو زبان میں ہوتی ہے اور ناچیز اس سے نابلد ہے، اس لیے محروم رہا مگر محبت کا دریا شب و روز موجزن رہتا تھا کہ کبھی ضرور شرف زیارت اور نیازِ ملاقات حاصل کروں گا مگر آج کل کرتے کرتے وقت گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۹ء کے آخر میں روسی استعمار اور سامراج نے افغانستان کی کٹھ پتلی ترکئی حکومت سے مل کر پورے افغانستان پر قبضہ کر لیا اور بہت سی مساجد مدارس کو مسمار کر دیا۔ ہزاروں علماء اور عام مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ ان کے مقابلے کے لیے افغان عوام نے ہتھیار سنبھالے اور تمام مسلمانوں سے امداد اور تعاون کی اپیل کی۔ اسی سلسلہ میں یہاں لاہور میں جمعیۃ علماء اسلام کے ناظم عمومی حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مذہبی اور سیاسی جماعتوں کا ایک اجلاس طلب کیا۔ اس اجلاس میں پیپلز پارٹی کے سوا سب زعماء کو دعوت دی گئی اور سب نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں ایک تو اس روسی جارحیت کی کھلی مذمت کی گئی اور دوسرا حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ افغانستان کے مظلوم عوام کی امداد کرے اور تیسرا یہ فیصلہ ہوا کہ پاکستانی مسلمانوں پر بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے طور پر بھی افغان مسلمانوں کی ہر طرح کی امداد کریں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں امیر انجمن خدام الدین حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ نے یہ امداد فراہم کرنے کے لیے ایک اشتہار دیا تو بحمدہ تعالیٰ مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا اور کافی تعداد میں ہر قسم کی نقدی، غذائی اور لباس وغیرہ کی امداد جمع ہو گئی اور یہ امداد افغانستان پہنچانے کے لیے اس ناچیز کو منتخب کیا گیا۔ چنانچہ ہم نے ایک وفد تشکیل دیا۔ یہ وفد پہلے تو پاکستان میں وہاں سے آئے ہوئے مہاجرین آبادیوں میں گیا۔ ان میں امداد تقسیم کی پھر براستہ میران شاہ حدودِ افغانستان گیا۔ خوست۔ ارگون، گردیز کی فوجی چھاؤنیوں کی بڑی بڑی بلند اور برف پوش پہاڑیوں میں مجاہدین کی پناہ گاہوں میں بھی ان تک امداد پہنچائی۔ کہیں سے تو گاڑیوں میں بیٹھ کر جاتے اور کہیں پیدل چلتے۔ ادھر سے چاروں طرف سے توپوں کی گرج اور بموں کے دھماکوں سے زمین لرز رہی تھی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور جذبۂ جہاد کی سرشاری سے ہم وہاں تک پہنچ گئے ورنہ ہم جیسے لوگوں کا وہاں تک ان حالات میں جانا آسان کام نہیں تھا۔ بہرحال وہاں ہم نے ایک طرف تو روسی فوجیوں کی درندگی اور بربریت کی حالت یہ دیکھی کہ اس سے ۱۹۱۸ء کے روسی انقلاب کے بعد کی یاد تازہ ہو گئی اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ ترکستان، تاشقند، بلخ اور بخارا کے مسلمانوں کا خون پینے سے روسی فوجوں کے پیٹ ابھی تک بھرے نہیں ہیں اور وہ افغان مسلمانوں کا خون پینے کے لیے بھیڑیوں کی طرح آئے ہوئے ہیں اور دوسری طرف مسلمان مجاہدین کی استقامت اور ان کے پائے استقلال کا یہ حال تھا کہ مرد عورتیں، بوڑھے، جوان اور بچے بھی شاملِ جہاد تھے پھیکے قہوہ کے ساتھ وہ لوگ کھانا کھاتے تھے۔ کسی کے اگر کپڑا تھا تو جوتا نہیں تھا۔ ننگے پاؤں وہ برفانی علاقے میں چلتے پھرتے تھے اور بچوں کے جذبات کا عالم یہ تھا کہ ایک بچے نے

(جو پہلے پاکستان میں رہتا تھا اور جہادِ افغانستان شروع ہوتے ہی وہ وہاں چلا گیا تھا) کہا کہ وہ لوگ جو اپنا وطن افغانستان چھوڑ کر پاکستان چلے گئے ہیں اور وہ مہاجرین کہلاتے ہیں وہ بے غیرت ہیں۔ وہ اپنا وطن چھوڑ کر کیوں گئے ہیں وہ مہاجرین نہیں ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہمیں ان محاذوں پر امدادی سامان پہنچانے کے لیے کئی بار جانا پڑا اور ہم گئے۔ ہم نے ان محاذوں پر جو سب سے زیادہ اہم چیز دیکھی وہ یہ تھی کہ ان مجاہدین کی قیادت ہر جگہ علماء ہی کر رہے تھے اور ان علماء میں اکثریت حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کی تھی اور سنا یہ تھا کہ ان محاذوں کے علاوہ افغانستان کے باقی محاذوں پر بھی یہی کیفیت ہے، یعنی آپ کے شاگردوں کی کثرت ہے اور وہی ہر جگہ افغان مجاہدین کی قیادت کر رہے ہیں اور جو آپ کے شاگردوں کے علاوہ تھے وہ بھی آپ کے مداحین میں سے تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ پورے جہادِ افغانستان کی روح رواں حضرت مولانا عبدالحق ہیں اور پہلے عرض کر چکا ہوں کہ آپ کے ساتھ عقیدت تو شروع سے ہی تھی اور اب یہ کیفیت دیکھ کر اس میں اضافہ ہوا اور دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ ایسی ہستی کی زیارت ضرور کرنا چاہیے۔ زندگی کا بھروسہ نہیں ہے۔ خدا جانتا ہے پھر موقعہ ہاتھ آئے یا نہیں۔ چنانچہ ۱۹۸۲ء میں جب ہم گردیز کی پہاڑیوں سے براستہ خوست واپس آرہے تھے تو غالباً دسمبر کا مہینہ تھا۔ بڑی سخت سردی پڑ رہی تھی۔ ہم نے پروگرام بنایا اس مرتبہ واپس پشاور کی طرف سے لاہور جائیں گے اور راستے میں اکوڑہ خٹک اتر کر حضرت مولانا عبدالحق صاحب کی زیارت کریں گے۔ اس وفد میں اس ناچیز کے علاوہ لاہور کے دو نوجوان امتیاز احمد شاہی اور عزیز احمد طور بھی تھے۔ چنانچہ جب ہم پشاور پہنچے عشاء کا وقت ہو چکا تھا۔ ساتھیوں کا خیال ہوا رات ہمیں پشاور بسر کریں گے کسی ہوٹل میں قیام کر لیں گے، میں نے کہا نہیں یہاں نمک منڈی ایک مدرسہ ہے دارالقرآن اس کے مہتمم قاری فیاض الرحمن صاحب میرے ملنے والے ان سے دیرینہ تعلقات بھی ہیں۔ ہوٹل کے بجائے ان کے ہاں قیام کریں گے۔ ان کا مدرسہ بھی دیکھ لیں گے۔ کافی عرصہ سے انہیں دیکھنے کی خواہش بھی ہے۔ اس پر ہم سب کا اتفاق ہوا۔ رات کو ہم نے قاری صاحب موصوف کے ہاں قیام کیا۔ صبح پشاور میں مقیم مجاہدین کے لیڈروں سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔ ہم نے انہیں اپنا تعارف کرایا اور محاذوں پر لڑی جانے والی جنگ کی تازہ صورت حال بیان کی۔ وہاں سے فارغ ہو کر ہم اکوڑہ خٹک پہنچے۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب سے ملاقات ہوئی اور ہم نے انہیں اپنی آمد کا مقصد عرض کیا انہوں نے حضرت کو اطلاع دی۔ آپ کا مکان مدرسہ حقانیہ سے قدرے فاصلے پر ہے اور آپ علیل بھی تھے لیکن جب انہیں یہ اطلاع ملی کہ جمعیۃ علماء اسلام سے تعلق رکھنے والا پاکستانی وفد ہے جو جہادِ افغانستان سے واپس آیا ہے تو اپنی صحت کی پرواہ کیے بغیر گاڑی پہ آپ تشریف لائے اور ہمیں اطلاع دی گئی کہ حضرت فلاں کمرے میں تشریف فرما ہیں آپ لوگ ملاقات کے لیے وہاں چلے جائیں۔ چنانچہ جب ہم وہاں پہنچے تو حضرت نے اٹھ کر ہم سے ملاقات فرمائی، مصافحہ فرمایا، انتہائی عزت و احترام کے ساتھ پیش آئے جس طرح کہ بڑوں کی عزت کی جاتی ہے اور ہم ان کی شخصی عظمت کو اور اپنی کمتری کو دیکھ کر یہ شرم محسوس کر رہے تھے کہ کہاں حضرت کی شخصیت اور کہاں یہ ناکارہ اور پھر یہ عزت و احترام بہرحال ہم نے اپنی حاضری کا مقصد عرض کیا اور پھر جہادِ افغانستان کا مختصر آنکھوں دیکھا حال بیان کیا تو حضرت نے ان مجاہدین کی بہت تعریف فرمائی اور فرمایا افسوس کہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں، بندوق نہیں اٹھا سکتا۔ اگر مجھ میں یہ ہمت ہوتی تو میں بھی ان مجاہدین کے ساتھ وہاں محاذ پر جہاد میں شامل ہوتا۔ بہرحال اس کے بعد ہم نے اجازت چاہی تو اٹھ کر ہم سے معانقہ فرمایا۔ ہمارے لیے اور افغانستان کے مجاہدین کی کامیابی کے لیے دعا فرمائی اور الوداع فرمایا اور ہم نے اس سے قبل حضرت کے جو اوصاف سنے تھے وہ ہو بہو آپ میں پائے گئے۔ گویا آپ مولانا رومی کے اس شعر کے مصداق تھے ؎

یک زمانہ صحبت با اولیاء　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی نابغۂ روزگار ہستیوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔